

مغربی تحریک اصلاح مذہب کا اخلاقی پس منظر

عبد الحمید صدیقی

یہ مضمون اگرچہ عقلیت پرستوں کی خام خیالیان کی ہی دوسری کڑی ہے، لیکن اس کی حیثیت ایک اگ باب کی ہے۔ اس کا بھی بیشتر حصہ عقلیت کے خلاف بغاوت از آرٹڈ لون سے اغذ کیا ہے اس مضمون میں فاضل مصنف نے یہ بتایا ہے کہ تحریک اصلاح مذہب، جسے لوگ غلطی سے ایک عقلی تحریک سمجھتے ہیں، دراصل ایک حسی تحریک تھی، جس کا منشا اصلاح و تجدید مذہب نہ تھا، بلکہ اُن اخلاقی قیود کو توڑنا تھا جو مسیحیت نے دنیا میں مغرب پر عائد کر رکھی تھیں۔

مغرب میں تحریک اصلاح مذہب (REFORMATION) کے موٹس مارٹن لو تھر کے پرستار عام طور پر بیخبر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ لو تھر نے رومن کیتھولک مذہب کو جس کی بنیاد سراسر مغرب عقلی عناصر پر تھی، منہدم کر کے اس کی جگہ ایک ایسے مذہب کی بنا ڈالی جو انسانی عقل کے عین مطابق اور نہ تفکر و تدبیر کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا۔ اس تحریک میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غور و فکر کے خلاف پڑتی ہو یا جس سے انسان کی ذہنی پرواز کا راستہ مسدود ہوتا ہو۔ خواب و خیال کی دنیا میں بسنے والے لوگ یا عقل و خرد کو کھلوانے پر ہی باندھ کر چلنے والے افراد جو چاہیں کہتے رہیں، لیکن وہ بائبل نظر حضرت جنتوں نے اس تحریک کا سطحی مطالعہ نہیں کیا ہے بلکہ گہرائی میں اتر کر اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ مغرب کی تہذیب و پسند تحریک عقلیت کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود دراصل منفی بنیادوں پر قائم تھی اور اس کی بغاوت کا رخ اتنا روایتی مذہب رومن کیتھولک کے خلاف نہیں تھا جتنا کہ خود عقل کے خلاف۔ یوں تو اسلام کے سما دنیا کے سارے مذاہب میں ایسی سہمیوں کی کمی نمایاں نظر آتی ہے جو وقتاً فوقتاً ان کی تجدید کے ان میں نئی روح اور ان کے منہ سے الون میں نئی زندگی پیدا کرتی اس لیے ان مذاہب کی تاریخ میں صدیوں ہزاروں برس کے ایسے خلا نظر آتے ہیں جس میں ان کا کوئی مجدد دکھائی نہیں دیتا جو ان مذاہب کو تحریفات و بدعات سے پاک کر کے انہیں اپنی اصل شکل و صورت میں پیش کرتا۔ لیکن لو تھر کی تحریک اصلاح مذہب تو اس معاملہ میں سب سے ناکام کوشش ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے

کہ اس تحریک کا مقصد تجدیداً حیلے مسیحیت تھا ہی نہیں تو یہ زیادہ صحیح ہو گا۔ اگر توہر کا نصب العین واقعی اصلاح مذہب ہو تا تو وہ اس کو مادیت و نفس پرستی کے اس زرفہ سے جس میں یہ مذہب اس دور میں بدتمتی سے گھرا ہوا تھا، نکلتے کی کوشش کرتا اور اپنے یقین پتی روحانیت اور خلصانہ جذبہ سے عیسائیت کے پیروں میں نئی صبح اور نئی زندگی پیدا کرتا یا یقین دلاتا تو ہر اور اس کے عقلمندین مادہ پرستی کے خلاف صرف آراہونیکے بجائے خود اس کے کمپوں میں جا گئے اور عیسائیت کے مسائل کو اسکی پشت میں وہ نتجربہ ہوت کیا جو اس کے لیے بالکل جان لیوا ثابت ہووا اس کے بعد پھر وہ ہمیشہ کے لیے ایک جان لاش بر کھ گئی مسیحیت کی قبر پر بیٹھنے والے مجاور خواہ لٹنی گھاگھی اور ہاسمی کا مظاہرہ کریں لیکن ہر عقلمند انسان اس بات کو سچی طرح جانتا ہے کہ عیسائیت ایک انقلاب انگیز تحریک فکر و عمل کی حیثیت سے اگرچہ توہر سے بہت پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، لیکن اس کے تابوت میں آخری میخ اس تحریک اصلاح مذہب کے ہاتھوں لگی اور اب اس کے پرستار اگر اس کی محبت کا دم بھرتے ہیں تو ان کی پوزیشن بالکل انہی لوگوں کی سی ہے جن کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا جہر تقسیم قبور اچھنے ساختہ اند۔ تاریخ مذہب پر ایک نگاہ ڈالنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی مذہب کو زندہ رکھنے کے لیے جو چیزیں از حد ضروری ہیں۔ اولاً یہ کہ اسکی تعلیمات میں کسی قسم کی تحریف و تبدیلی نہ کی جائے، کیونکہ ایسا کرنے سے مذہب کی اصلی روح مٹ جاتی ہے اور پھر اُسے دوسرے مذاہب سے تمیز نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کا ہر مذہب اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے جو اسے انفرادیت بخشتا ہے اور جس کی بنا پر اس کے پیروں کے اندر ایک انگ انداز فکر و عمل پیدا ہوتا جو انہیں ایک الگ وحدت بنا دیتا ہے۔ اگر مذہب کی وہ امتیازی خصوصیات جن کے دم سے وہ زندہ ہے، ختم کر دی جائیں تو پھر وہ خود بخود بوجہ سجان ہو کر رہ جاتا ہے۔ دوسری چیز جو بقائے مذہب کے لیے ضروری ہے وہ مذہب میں دولت کے تقاضوں اور حالت سے عہدہ برابری کی صلاحیت ہے۔ چونکہ انسانی زندگی تغیر پذیر ہے اور اس میں تعطل اور ٹھہراؤ نہیں ہے۔ اس لیے ہر عہد اپنے جلو میں کچھ نئے مسائل لے کر نمودار ہوتا ہے۔ یہ مسائل ہر مذہب دین یا کسی نظام فکر و عمل کے لیے ایک زبردست چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ مذاہب جو ان مسائل کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ خود بخود اپنی تحریکی روح کو زائل کر دیتے ہیں۔ تاریخ انسانی اس بات کی شاہد ہے کہ ایسے تمام مذاہب جنہوں نے ان مسائل کے بارے میں فرار کی پالیسی اختیار کی، یا ان سے آنکھ مچولی کھیننے میں عافیت سمجھی، وہ یا تو صفحہ ہستی سے مٹ گئے یا

بالکل بے اثر اور بے وزن ہو کر رہ گئے۔ اسی طرح وہ مذاہب جن کے علمبرداروں نے وقت کے تقاضوں سے عہدہ براہیوں کے بجائے خود ان کے سامنے سپر ڈال دی اور ان سے مخلوب ہو کر خواہنے مذہب میں روویدل شروع کر دیا، وہ بھی ان کی موت کا باعث بنے۔ ان کمزور لوگوں کی اعتدالی پسندانہ روہیات نے تحریقات کی شکل اختیار کرتے ہوئے ان مذاہب کی شکل و صورت کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ ان کی حیثیت پھر دنیا میں ایک رہنما قوت کی سی نہ رہی بلکہ یہ وقت کے غالب رجحانات کے غلام بن کر رہ گئے۔

مارٹن لوتھر نے جس عہد میں جنم لیا، اُس میں عیسائیت پر تحریقات و تاویلات، بدعات، مترکانہ اعمال و رسوم، طہوت اور نفس پرستی نے مسلسل حملے کر کے اسے بالکل مفلوج کر رکھا تھا اس کے علاوہ خانقاہیں اور عبادت گاہیں تعینات اور بد اخلاقی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مادہ پرستی اس کے مقابل کھڑے ہو کر اسے دعوت مبارزت دے رہی تھی۔ ان حالات میں اصلاح مذہب اور تجدید مسیحیت کی حقیقی خدمت یہ تھی کہ کوئی خدا کا بندہ تحریقات و تاویلات کا پردہ چاک کر کے حقیقی مذہب کے تقوش کو اجاگر کرتا، بدعت اور رومی اثرات کے خلاف آواز اٹھاتا، مادیت اور نفس پرستی پر کاری ضرب لگا کر انہیں شکست فاش دیتا لیکن افسوس کہ لوتھر کی اصلاحی تحریک نے ان میں سے کوئی کام بھی نہ کیا بلکہ مادہ پرستی جو عیسائیت کی اصل حریف اور یورپ میں اس کی جانشین بنے، اس کے خلاف کوئی موثر اور وسیع دینی دعوت اور صدائے احتجاج بلند کرنے کے بجائے اُس کے سامنے بالکل ہتھیار ڈال دینے ان صفحات میں یہ ممکن نہیں کہ ہم ان امور پہلو کوئی تفصیلی بحث کر سکیں کہ کس طرح مارٹن لوتھر نے مسیحیت کو مادیت پرستی کے سامنے سرنگوں کیا۔ ہم یہاں اس شکست کے صرف اخلاقی پہلو کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہم میں سے کون اس بات سے ناواقف ہے کہ دنیا کے سارے مذاہب کی بنیاد اخلاق پر قائم ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اخلاق مذہب کا بالکل منطقی اور قدرتی نتیجہ ہے۔ جو چیز عقیدہ کی شکل میں مذہب کہلاتی ہے وہی جب معرض عمل میں آتی ہے تو اخلاق نام پاتی ہے۔ اخلاق اس وقت تک موجود رہتا ہے جس وقت تک مذہب موجود ہے اور اگر اخلاق ختم کر دیے

جائیں تو مذہب خود بخود مٹ جاتا ہے۔

پھر اس سلسلہ میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مذہب جس اخلاق کی تعلیم دیتا ہے وہ اس اخلاق سے بالکل مختلف ہے جس کا مادیت پرستی پر چار کرتی ہے۔ مذہب جس اخلاق کا علمبردار ہے وہ زمان و مکان کی حد بندی سے ماوراء ہے۔ اس میں من و توہ کے عجائبات حائل نہیں ہوتے، اُس میں اگرچہ انسان کے فطری و احیاء کے لیے پوری گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لیکن اُس کی تعمیر میں حیات سے بطور بنیاد کے کام نہیں لیا جاتا۔ اس کے برعکس مادیت جس اخلاق کو پیش کرتی ہے اس کا غیر صرف حیات سے اٹھایا جاتا ہے۔ یہ اخلاق انسان کو خواہشات کی غلامی اور نفس و جسد کی بندگی سے آزاد ہونے کا طریقہ نہیں سکھاتے، بلکہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی ترغیب و تلقین کرتے ہیں۔ چونکہ حسی تمدن اور نظام میں علم کا ماخذ صرف حواس ہوتے ہیں، اس لیے انسان کے بارے میں یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ وہ صرف ایک بولنے والا جانور ہے۔ اس بنا پر اُس کے لیے جو ضابطہ حیات تجویز کیا جاتا ہے وہ بھی روح اور مقاصد میں خالص حیوانی زندگی سے کچھ مختلف نہیں ہوتا۔ ایک حسی نظام حیات میں اخلاق کا لفظ تو بار بار سننے میں آتا ہے لیکن یہاں اس سے مراد ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس سے انسان کو زیادہ سے زیادہ محسوس منفعت یا لذت نفس حاصل ہو۔

مذہبی اخلاق اور مادی اخلاق کی اس مختصر تشریح کے بعد یہ چیز باسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ مذہب میں اخلاق کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے حرص و ہوا اُس کی صنعتی خواہشات اُس کے حسی میلانات کو اعلیٰ مقاصد کا پابند کر کے اُسے حیوانی سطح سے اٹھا کر اشراف المخلوقات کے دائرہ میں داخل کیا جائے۔ برخلاف اس کے مادی اخلاق کا مقصد العین یہ ہے کہ انسان پر سے ہر قسم کی قیود توڑ کر اُسے بالکل آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی حیوانی جبلتوں کی جس طرح چاہے بے قید ہو کر تسکین کرے۔ اس اخلاق کی نگاہ میں معراج انسانیت یہ ہے کہ جسمانی اور حسی لذتوں کے حصول کے لیے اس پر کوئی پابندی باقی نہ رہے۔ البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ ہلکے بار بار حسی اور حیوانی کے الفاظ استعمال کرنے سے آپ کو غلط فہمی نہ ہو کہ حسی تمدن جنگل کی ایک زندگی ہے، جس میں شہریت

اور شائستگی مفقود ہوتی ہے۔ دراصل ہم اسے اس کے ماخذ اور روح کے اعتبار سے حسی کہہ رہے ہیں۔ وہ شہری زندگی کے اعتبار سے یہ دنیا کا ترقی یافتہ تمدن ہے اور اس میں بڑی رنگینیاں اور دلچسپیاں پائی جاتی ہیں جب ہم اسے حسی تمدن کا نام دیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں، اخلاق کا مقصود و مطلوب انسان کو حیوانی فطرت سے قریب تر کرنا ہے۔ ایسی فطرت جو وجدان اور شہادتِ قلبیہ سے کبیر خالی ہو، جس میں صرف جس، خواہش اور مطالباتِ نفس کی تکمیل کے سامان ہوں۔ باقی رہیں وہ چیزیں جو فطرتِ انسانی کے متفقیات سے ہیں، جن کو انسان اپنے وجدان میں پاتا ہے، جن کے فوائد یا نقصانات مادی اور حسی نہیں بلکہ نفسی اور روحانی ہیں، ان کو یہ تمدن سرے سے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ان نصیحتات کے بعد اب دیکھیے کہ مارٹن لوتھر نے کس طرح اخلاق کے دائرہ میں مادیت پرستی کو مسیحیت پرستی کا اس میں کوئی شک نہیں کہ لوتھر کے زمانہ عروج سے بہت پہلے مسیحیت پر سخت انحطاط طاری ہو چکا تھا۔ کلیساؤں سے کوئی زندگی بخش نعرہ بلند نہ ہوتا تھا بلکہ صرف تعطل اور جمود کے درس دیتے جاتے تھے۔ راہبوں کے مسکن بد معاشی اور عیاشی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے پادریوں پر نہیب اخلاق جرائم کے الزامات عائد کیے جاتے تھے۔ سینٹ جروم کا مقولہ ہے کہ اہل کلیسا کے تعیش کے سامنے امراء اور دو تمدنوں کی عیش و عشرت بھی خرماتی تھی۔ خود پوپ ہر قسم کی اخلاقی بیماری میں مبتلا تھے اور دولت کی ہوس اور مال کا عشق تو ان پر اتنا غالب تھا کہ منصب اور عہدے معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے اور کبھی کبھی ان کا نیلام ہوتا تھا۔ جنت کے قبلے، مغفرت کے پروانے، قانون شکنی کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ، جائداد کی معمولی دستاویزوں کی طرح بے تکلف فروخت ہوتے۔ مذہبی عہدیدار سخت راشی اور سود خوار تھے۔

یہ سب چیزیں اپنی جگہ صحیح اور درست تھیں لیکن کیا یہ سب کچھ مسیحیت کی تعلیم کے عین مطابق ہو رہا تھا، یا یہ اس کے خلاف تھا؟ کیا مسیحیت کا نشا اس قسم کی بد معاشیوں، عیاشیوں اور قریب کاریوں کو فروغ دینا تھا یا اس کا مقصد ان کو مٹا کر دنیا میں نیکی، شرافت اور خدا نرسی کو پروان چڑھانا تھا؟ آج بائبل کے توصیف شدہ نغمے جو ہمیں ملتے ہیں ان کو بھی اگر مغربی طور پر ہی دیکھا جائے تو اس بات

کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے انسانیت کو نیکی کا پیغام دیا تھا، اُسے سچائی کو حاصل کرنے کی تلقین کی تھی، اُسے حستی خواہشات کو ضابطہ اخلاق کا پابند بنانے کی ترغیب دی تھی۔ اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عیسائیت نے دوسرے الہامی مذاہب کی طرح لوگوں کے سامنے میرت و کردار کے بعض ایسے نمونے پیش کیے جو اپنی دلقریبیوں کی وجہ سے ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کو متاثر کرتے رہے ہیں، جو بہترین محرک اخلاق ہیں اور جن کی گرفت قلوب انسانی پر ہمیشہ مضبوط رہی ہے۔ یہ اسی اعلیٰ تعلیم کا اعجاز تھا کہ عیسائیت کے پیروؤں میں جیسی مادہ پرست قوم کے درمیان رہ کر بھی اُس کی بد معاشیوں اور عیاشیوں سے الگ اُس کی سیاسی چالبازیوں سے دُور، اور اپنے گرد و پیش کی زہریلی ہوا سے غیر متاثر رہے۔ ان مسیحیوں نے مدت دراز تک اپنی اخلاقی آن بان قائم رکھی اور یہی درحقیقت عیسائیت کی کامیابی اور بقا کی واحد ضامن تھی۔ لیکن دیکھیے کہ لوٹھر کی تحریک اصلاح مذہب نے کس طرح مسیحیت کے علمبرداروں کی رو بہ انحطاط اخلاقی حالت کو مزید بگاڑ دیا۔ اگر لوٹھر اپنے مشن میں مخلص تھا تو پھر اُس پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ ایک طرف اہل مذہب پر سے مردم آزار، آدم بنیر اور دشمن فطرت رہبانیت کے جنون کو تار کر انہیں اس سے نجات دلاتا اور دوسری طرف مسیحیت کے علمبرداروں کو اخلاقی پتھر، اور گراوٹ کے مہیب غاروں میں سے نکال کر انہیں میرت و کردار کے اعلیٰ مقام پر فائز کرنا۔ لیکن جب ہم لوٹھر کی اصلاحی تحریک کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سخت مایوسی ہوتی ہے۔ اُس نے فحاشی اور عیاشی کو روکنے کی بجائے اپنے طرز عمل سے اور تقویت ہم پہنچائی اور وہ تھوڑا سا احساسِ زبیاں جو آزاد شہوت رانی کے راستے میں ایک حد تک رکاوٹ کا کام دے رہا تھا اسے ختم کر کے حسی فلسفہٴ سیات کی توسیع و اشاعت کے لیے زمین ہموار کر دی۔

اب دیکھیے کہ یہ تحریک اصلاح مذہب کس طریق سے لوگوں کے اخلاق کو برباد کر کے انہیں ایسا مطلقہ کے راستے پر ڈالتی ہے۔

اس تحریک کے داعی کا یہ حال تھا کہ اُس نے اپنے حرم میں بے شمار خواتین بغیر نکاح کے ڈال رکھی تھیں اور جن کے بارے میں وہ بڑے فخر کے ساتھ ایک خط میں یوں لکھتا ہے :

مقدم نکاح کے بارے میں میرے تاثرات دریافت کرنا چاہتے ہو، سو عرض ہے کہ تم میرے نکاح کے بارے میں قطعاً فکر مند نہ ہو یا لقبہ اگر تم میری پیروی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو پھر تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ تم اس کے متعلق مجھ سے سوال کرو۔ میری تین بیویاں تھیں لیکن جن سے میں نے انتی شدت سے محبت کی کہ ان میں سے دو مجھے داغِ معارفیت لے گئیں اور اب وہ دوسرے آدمیوں سے عقدِ نکاح باندھنے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔

لو تھر نے اخلاقی پابندیوں کے خلاف اس قدر زور سے پراپیگنڈا کیا کہ ملک میں ہر جگہ آزاد شہوت رانی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جن لوگوں نے اس شخص کی آواز پر لبیک کہا وہ ہر قسم کی اخلاقی قیود کو توڑتے ہوئے بالکل جانوروں کی طرح صنعتِ نازک پر پل پڑے اور انہوں نے خانقاہوں میں جا کر وہاں عورتوں پر بھرانہ حملے کیے۔ لو تھر اسی قسم کے ایک شخص کی "مقدس کارگزاری" کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سراہتا ہے۔

"تم نے حضرت مسیح کی طرح ان بے کس اور مجبور جانوں کو انسانی عذاب کے چنگل سے نجات دی ہے۔ تم نے یہ کام اُس وقت کیا ہے جو اس کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھا۔"

اس قسم کی براہیوں کی بہت افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تحریک اصلاح مذہب کے علمبردار خود آگے بڑھ کر لوگوں کو بے حیائی کی دعوت دیتے رہے۔ ڈیٹیلی اپنی کتاب میں اسی گروہ کے ایک فرد کے ایک خط کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس خط میں یہ دیکھیے کہ کس جسارت سے حوا کی بیٹی کی خرید و فروخت کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔

۔۔۔ فوراً سب عورتیں ہمارے پاس ہیں، وہ خوبصورت ہیں اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں ان میں سے کوئی بھی پچاس برس کی نہیں، میرے بھائی ایس نے سب سے بڑی تمہارے لیے رکھی ہے اگر تم سب سے چھوٹی لینا چاہو جو سب سے حسین بھی ہے تو اس معاملہ میں بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ یہ صورت حال اس قدر افسوسناک اور حشتناک تھی کہ اس سے نہ صرف تاس مور جیسے نیک اور

لے واضح رہے کہ عیسائیوں کے ہاں ایک عورت سے زیادہ کے ساتھ کسی مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ لہذا ایٹھ بیویاں جناب لو تھر کے حرم میں بلانکاح تھیں۔

پاکیز انسان کو ہی صدمہ ہوتا بلکہ ڈیوک جارج میکسنی جیسے دنیا دار لوگ بھی گھبراٹھے اور انہوں نے اس طرز عمل کے خلاف عدلے احتجاج بلند کی۔

لو تھرنے جو ضابطہ اخلاق پیش کیا اس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تحریک اصلاح مذہب کس قسم کے اخلاق کی نشوونما کر رہی تھی۔ لو تھرنے نے متبعین کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے :

”جب کبھی شیطان تمہارے دل میں بُرے وساوس پیدا کرے تو تم فوراً خلوت سے نکل کر جلوت میں آ جاؤ، جی بھر کر شراب پیو، خوب منہی مذاق کرو۔ انسان کو کبھی کبھار دل کھول کر شراب پینی پلا بیسے، اُسے حالتوں میں بڑھ چڑھ کر ٹھیک ہونا چاہیے، اور شیطان سے نفرت کے اظہار کے لیے گناہ کے سرور ہونا چاہیے تاکہ صنیر کی غلش میں کبھی بھی چھوٹے چھوٹے معاملات میں بے چین نہ گننے پائے۔ اگر ہم گناہوں سے بچنے کے لیے شدت سے متنی ہوں گے تو ہم حالات کے ہاتھوں شکست کھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اگر کبھی شیطان یہ کہے کہ ”شراب مت پیو“ تو میں اس چیلنج کے جواب میں زیادہ پیوں گا، زیادہ غیر محتاط اور فضول گفتگو کر دوں گا تاکہ میں شیطان پر خندہ زن ہو سکوں، جو کہ وقتاً فوقتاً مجھ پر پھتیاں کتا رہتا ہے۔ اگر میں کوئی ایسا زبردست گناہ کر سکوں جس سے شیطان بھی شرمائے تو میں حقیقت میں پھر اپنے آپ کو کامیاب کہلانے کا مستحق ہوں۔ اس سے شیطان پر یہ راز منکشف ہو جائے گا کہ میں کسی چیز کو گناہ نہیں سمجھتا، مجھے کسی گناہ کا شعور ہی نہیں ہے، جنہیں شیطان اس قدر ہراساں کرتا ہے، اس کے زخم سے اسی صورت میں باہر نکل سکتے ہیں، جب ہم صنیر کی غلش کو اپنے دل و دماغ سے یکسر نکال دیں“

پچھلے صفحات میں ہم نے اس امر کی وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی کہ مذہب سے ہیں جو اخلاق حاصل ہوتا ہے اُس کی اقدار معروضی ہوتی ہیں، یعنی وہ انسان کے احساس و جذبات، اُس کی خواہشات اور میلانات کا تابع نہیں ہوتا بلکہ ان کی حفاظت اور پاسبانی کرتا ہے، ان کا اندر اعتدال پیدا کر کے انہیں انسانیت کے لیے مفید اور کارآمد بناتا ہے۔ لیکن ملویت پرستی جس اخلاق کی تبلیغ

اور داعی ہے وہ سستی لذات اور نفسانی خواہشات کے محور پر گھومتا ہے یا دوسرے نقطوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ خطِ نفس اس کارہنہ میں کہ اس کی تشکیل و تربیت کرتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو مذہب کا پیش کردہ ضابطہ اخلاق معروفی ہونے کے ساتھ ساتھ خارجی بھی ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے مادی فلسفہ اخلاق افراد اور زمان و مکان کے ساتھ ساتھ ہمیشہ متغیر رہتا ہے۔ انسان جو چاہیں کریں، اخلاق کا کام اسی قدر ہے کہ وہ اس کے ہر فعل کے لیے، خواہ وہ کتنا گھناؤنا ہو سبب جو از عنایت کرے۔ جب ہم اس زاویہ نگاہ سے اس تحریک کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مادیت پرستی کی طرح لو تھر کی اصلاح مذہب کی تحریک بھی داخلیت کی فتح ہے۔ جس چیز کو ہم مذہب کی حقانیت کہتے ہیں، لو تھر کے مذہب میں وہ درحقیقت حسی خواہشات اور جسمانی لذات کی بالادستی کا اعتراف و اقرار ہے۔ خود لو تھر نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

خدا کی طرف سے تم پر اس کے سوا اور کوئی فرض عائد نہیں ہوتا کہ تم اس کی ذات کے وجود کا اقرار کرو۔ دنیا کے باقی معاملات میں اس نے تمہیں آزادی دے رکھی ہے کہ تم ضمیر کی کسی ادنیٰ غلطی کے بغیر جس طرح چاہو کرتے رہو۔ وہ شخص جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کے باپ تے اس کے سارے گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے، بالکل معصوم ہے۔ اتنا معصوم جتنا کہ خود مسیحی ہیں۔

اس تحریک اصلاح مذہب نے اخلاق کا جس طرح دیوالہ نکالا، وہ خود لو تھر کے لیے بھی بالآخر موجب پریشانی ہوا۔ اس صنفی انارکی سے بھنبھلا کر وہ لکھتا ہے:

”اب جبکہ ایک شیطان کو ہم نے نکال دیا ہے تو سات اور تباہین گھس آئے ہیں۔ آج کل انسان زیادہ حرمیں، زیادہ بے رحم، زیادہ شریر اور زیادہ ناعاقبت اندیش ہو گئے ہیں۔ نفرت، نفع اندوزی، زیر دست آزاری، سفاکی، خماشی، بدمعاشی اور فریب کاری اخلاق کے نو ایس عالیہ قرار دیئے گئے ہیں اور یہ حالت تو اس سے بدرجہا بدتر ہے جس میں کہ لوگ پادریوں کے زیر اثر زندگی گزار رہے تھے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ہماری تعلیمات کے ہمیں یہ نتائج دیکھنے پڑیں گے۔“

اسی طرح اس کے بڑے نامور زقائد کار نے بھی اپنے تبیین کی اخلاقی پستی کا دل کھول کر رونا روایا۔